بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

المحلّٰی (فقہ ظاہری)

ترجمہ: جناب پروفیسر خان محمد چاولہ صاحب، گورنمنٹ کالج، لاہور

مسئلہ: کھجور، گندم اور جو میں اس وقت تک زکوٰۃ نہیں (واجب ہوتی) جب تک کہ شخص واحد ایک ہی جنس کی پانچ وسق تک پیداوار حاصل نہ کرے اور وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور صاع چار مُد کا ہوتا ہے بموجب مُد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور مُد اگر بھاری ہو تو ½ ۱ رطل کا اور ہلکا ہو تو ¼ ۱ رطل کا ہوتا ہے۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ (پیداوار حاصل کرنے والے کاشتکار نے اسے) اپنی مملوکہ اراضی میں کاشت کیا تھا یا کسی غیر کی اراضی میں، بایں طور کہ اس نے غیر کی اراضی کو غصب کیا ہو یا جائز معاملے (DEED) کے ذریعے حاصل کیا ہو۔ بشرطیکہ بیج غصب شدہ نہ ہو۔ اس سے بھی کچھ فرق نہیں پڑتا کہ اراضی خراجی ہے یا عشری یہ جمہور کا مسلک ہے اور (امام) مالکؒ، (امام) شافعیؒ، (امام) احمدؒ (بن حنبل) اور ابو سفیان کا بھی یہی مسلک ہے، جبکہ (امام) ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ پیداوار خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ زکاۃ نکالی جائے گی (یعنی پانچ وسق کی مقدار نصاب کا اعتبار نہ ہوگا) اور خراجی زمین سے جو پیداوار حاصل ہوگی اس پر کوئی زکاۃ واجب نہیں اگر زمین مستاجری پر لی گئی ہو تو زکوٰۃ مالک زمین پر واجب ہوگی نہ کہ کاشتکار

اور اگر اراضی غصب شدہ ہو تو اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ اگر تو عدالت نے زمین کو کھیتی سے پہنچنے والے نقصان کا معاوضہ مالک زمین کو دلوانے کا فیصلہ کیا ہو تب تو زکاۃ مالک پر واجب ہوگی اور اگر اسے معاوضے کے طور پر کچھ بھی دلوانے کا فیصلہ نہ کیا گیا ہو تو زکاۃ کاشتکار کے ذمے واجب الادا ہوگی۔ (امام ابو حنیفہؒ) کے قول کی رو سے مُد دو رطل کے برابر ہے۔

چنانچہ اس مسئلے میں پانچ مقامات پر انہوں نے (امام ابو حنیفہؒ نے) حق کی خلاف ورزی کی ہے، اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا ذکر تو کر چکے ہیں کہ لیس فیما دون خمسة اوسق من حب او تمر صدقة۔ یعنی اناج اور کھجور پانچ وسق سے کمتر ہوں تو ان میں صدقہ (زکوٰۃ) نہیں ہے۔ (امام) ابو حنیفہؒ نے آپؐ کے مذکورہ بالا فرمان کو اس ارشاد سے منسلک کر دیا ہے کہ فیما سقت السماء العشر یعنی بارش ابر سے سینچی ہوئی کھیتی میں عشر (واجب) ہے۔ اس مسئلے میں (امام ابو حنیفہؒ) سے خطا سرزد ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے اس خبر (فرمانِ رسولؐ) پر تو عمل کر لیا اور دوسری خبر کی خلاف ورزی کر دی اور ایسا کرنا جائز نہیں ہے جبکہ ہم نے دونوں خبروں میں مندرج احکام کی پیروی کی ہے بلکہ امام ابو حنیفہؒ نے تو اس خبر کی بھی خلاف ورزی کی ہے، بایں طور کہ بارش ابر سے سینچی جانے والی کھیتی والے حکم سے بہت کچھ اپنی رائے سے مستثنیٰ کر دیا ہے، جیسے نرکل، ایندھن کی لکڑی، گھاس، درخت کے پتے، خراجی اراضی کے حاصلات اور اس امر کا لحاظ نہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق مستثنیٰ کریں (یعنی پانچ وسق سے کمتر والے فرمان کے تحت تو حاصلات کو وجوب زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں کیا البتہ اپنی ذاتی رائے

سے بعض چیزوں کو مستثنیٰ کر دیا۔

مزید برآں، انہوں (امام ابو حنیفہؒ) نے (اپنی) اس (رائے) سے (انسان کو) اس چیز کا مکلف بنا دیا ہے جس کی اس میں طاقت نہیں ہے، جیسا کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں (یعنی پانچ وسق سے کمتر پیداوار پر بھی زکوٰۃ واجب کر دی) اور اپنی ذاتی رائے سے گھروں کے صحنوں (کے درختوں وغیرہ) سے ہونے والی حاصلات کو اس سے مستثنیٰ کر دیا ہے اور یہ ایسی گڈ مڈ ہے کہ اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

جہاں تک ابو سفیان کا تعلق ہے، تو ان کا قول ہے کہ: جس چیز کو وسق کے پیمانے سے ناپا جا سکتا ہو اس میں زکاۃ نہیں جب تک کہ وہ پانچ وسق کی مقدار کو نہ پہنچ جائے اور جس چیز کو وسق کے پیمانے سے ناپنا ممکن نہ ہو اس میں زکاۃ ہے خواہ وہ چیز تھوڑی ہو یا زیادہ۔ اس قول کی خرابی کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

جہاں تک خراجی زمین کے حاصلات از قسم گیہوں، کھجور اور جو سے زکوٰۃ کو ساقط کرنے کا مسئلہ ہے تو یہ تو فاش غلطی ہے اور بڑی بات ہے اور فرض زکوٰۃ کو ساقط کرنا ہے۔

اور اس ضمن میں انہوں (احناف) نے حقیقت کو چھپانے کے لیے بڑے پاپڑ بیلے ہیں، از انجملہ یہ ہے کہ: ان میں سے کسی کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ نے خراجی زمین سے زکوٰۃ وصول نہیں کی۔

ابو محمد (ابن حزم) نے کہا: حقیقت پر پردہ ڈالنے کی یہ نہایت بھونڈی شکل ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو اہل کفر پر خراج عائد کیا تھا اور ان (اہل کفر) سے زکوٰۃ نہیں لی جاتی، لہٰذا اگر کسی کو یہ دعویٰ ہو کہ حضرت عمرؓ

نے خراجی زمین والے کسی ایسے شخص سے زکوٰۃ نہیں وصول کی جو مشرف بہ اسلام ہو گیا ہو تو یہ بہت بڑا جھوٹ ہے اور یہ بات وہ کہیں نہیں پائے گا (اس کا کوئی ثبوت نہیں مل سکتا) اور اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ حضرت عمرؓ نے ان سے زکوٰۃ کو ساقط کر دیا تھا تو یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ دعوےٰ کرے کہ حضرت عمرؓ نے ان سے نماز کو ساقط کر دیا تھا، ان دونوں دعووں میں کچھ فرق نہیں ہے۔

اور یہ بات باطل ممتنع میں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا وہ ہو جو انہوں نے گمان کیا ہے کیونکہ اگر آپؐ کی منشا یہی ہوتی تو آپؐ کی اس بات میں مخاطب کون لوگ ٹھہریں گے کہ وہ اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ جائیں گے جبکہ شام، مصر اور عراق کی اراضی کے مالکین مسلمان تھے۔ اس ممانعت کا ذکر اگر نہیں کیا تو آخر ذکر نہ کرنے میں کیا مانع تھا؟ یہ ان (احناف) کی طرف سے باطل تخصیص ہے اور اس کے لیے اس خبر (حدیث) میں نہ تو صراحتہً کوئی بنیاد ہے اور نہ ہی دلالتہً اور اگر ان سے یہ کہا جائے۔ حضور علیہ السلام کے اس فرمان میں جس کو بارش ابر سیراب کرے اس میں عشر ہے: یہ خراج کے ساقط اور باطل ہونے کی دلیل بن جاتی ہے کیونکہ اگر اس میں خراج ہوتا تو آپؐ اس کا ضرور ذکر فرما دیتے۔ اس خبر (حدیث) کی بنیاد پر ان (احناف) کی جانب سے اہل خراج سے جزیہ ساقط کرنا بھی بہت عجیب بات ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے ایک ساتھی (امام، فقیہ) کی رائے پر عمل کرتے ہوئے فرائض اسلام میں سے دو فرض ساقط کر دیئے ہیں، اور یہ بہت ہی عجیب بات ہے اور اسی مسئلے میں انہوں نے اپنے اس ساتھی کی مخالفت بھی کی ہے کیونکہ اس سے یہ

یہ بات ثابت ہے کہ اس نے خراج کے ساتھ جزیہ کو واجب قرار دیا تھا چنانچہ کبھی تو اس (فقیہ) کا فعل حجت بن جاتا ہے جس کے ذریعے قرآن (حکیم) کی خلاف ورزی کی جاتی ہے، حالانکہ وہ اس پر جھوٹ باندھ رہا ہوتا ہے کیونکہ اس سے ایسا کوئی قول ہرگز منقول نہیں کہ جس میں خراجی زمین کی حاصلات سے زکوٰۃ کو ساقط کیا گیا ہو اور جب کبھی حق اس کے ساتھ ہوتا ہے (یعنی وہ حق بات کہتا ہے) تو وہ اسے سرے سے حجت ہی نہیں مانتے (یعنی اپنے امام سے ایسی غلط بات منسوب کر کے اسے حجت مان لیتے ہیں جو خلاف قرآن ہوتی ہے اور جب وہ امام حق بات کہتا ہے تو اسے تسلیم نہیں کرتے۔)

مسئلہ۔ سو اگر ایک ہی جنس از قسم گیہوں، یا کھجور یا جَو پانچ وسق یا اس سے زیادہ کی مقدار کو پہنچ جائے، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، تو اگر تو کھیتی دریا یا چشمے سے نکالے ہوئے ندی نالے کے ذریعے سینچی گئی ہے یا اس کی جڑوں نے از خود زمین سے سیرابی حاصل کی ہے تو اس میں عشر ہے اور اگر اسے رہٹ یا چرسے یا ڈول سے سینچا گیا ہو تو اس میں نصف عشر (۵ فیصد) واجب ہے، اور اگر پیداوار پانچ وسق سے کم ہے، بقدر قلیل یا کثیر، تو اس میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔ یہ (امام) مالکؒ، (امام) شافعیؒ اور ہمارے اصحاب (ائمہ) کا مسلک ہے جبکہ امام ابو حنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ پیداوار (پانچ وسق سے) کم ہو یا زیادہ اس میں عشر یا نصف عشر ہے۔

عبدالرحمن بن عبداللہ بن خالد نے ہم سے بیان کیا ہے اس سے ابراہیم بن احمد نے، اس سے الفربری نے، اس سے البخاری نے، اس سے سعید بن مریم نے اس سے عبداللہ بن وہب نے یہ بیان کیا کہ مجھے یونس بن احمد نے ابن شہاب سے

روایت کرتے ہوئے خبر دی ہے اور ابن شہاب نے سالم بن عبداللہ سے، اس نے اپنے باپ سے اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا "فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر، وما سقی بالنضح نصف العشر" یعنی جس (کھیتی) کو بارش ابر ... نے سیراب کیا ہو یا وہ بارش کے پانی یا سیلاب سے سینچی گئی ہو تو اس میں عشر ہے اور جسے رہٹ، چرسے یا ڈول سے سیراب کیا گیا ہو اس میں نصف عشر ہے۔

مسئلہ۔ جہاں تک گیہوں کی اقسام کا تعلق ہے تو ان کو ایک دوسرے میں ضم کیا جائے گا (یعنی اعلیٰ درجے کی اور گھٹیا قسم کی گندم کو باہم ملا کر زکوٰۃ نکالی جائے گی) اسی طرح جَو کی اقسام کو ایک دوسرے میں ضم کیا جائے گا اور اسی طرح کھجور کی اقسام کو عجوہ (عمدہ قسم کی کھجور) برنی (سب سے عمدہ کھجور) اور صیحانی (مدینہ منورہ میں پیدا ہونے والی کھجور کی ایک قسم) اور اس کی باقی سب اقسام کو باہم ملا لیا جائے گا۔ اس میں (فقہاء کے مابین) کوئی اختلاف رائے نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ گیہوں کا نام اس کی جملہ اقسام کو شامل ہے اور کھجور کا نام اس کی تمام قسموں کا جامع ہے اور جَو کے نام کے تحت اس کی سب اقسام آجاتی ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

مسئلہ۔ اور جس شخص کے قطعاتِ زمین منتشر ہوں، خواہ وہ ایک ہی گاؤں میں ہوں یا مختلف گاؤں میں اور ایک ہی شہر کی حدود میں ہوں یا مختلف شہروں میں ——— اور چاہے ایک قطعہ زمین چین کے آخری سرے پر واقع ہو اور دوسرا اندلس کے آخری سرے پر۔ تو ان سب قطعات سے حاصل ہونے والے گیہوں کو ایک دوسرے میں ضم کیا جائے گا اور ان سب سے حاصل ہونے والے جَو کو ایک دوسرے میں ملایا جائے گا اور ان سب سے حاصل ہونے والی کھجوروں

کو باہم ملایا جائے گا تب وہ اس کی زکوٰۃ نکالے گا کیونکہ زکوٰۃ کا مخاطب وہ خود ہے، جو نص قرآن وسنت کی رو سے اس کے ذمے اور اس کے مال پر عائد ہوتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ یا اس کے رسولؐ نے ایک علاقے یا صوبے میں واقع اراضی اور دوسرے علاقوں یا صوبوں میں واقع اراضی میں کوئی تخصیص نہیں کی اور فاسد آراء کے ساتھ قرآن وسنت کی تخصیص قطعی باطل ہے۔ وباللہ التوفیق۔

مسئلہ۔ اگر کوئی شخص زمین سے گری پڑی بالیاں اٹھائے اور اس کے پاس پانچ وسق یا اس سے زائد گندم یا جو جمع ہو جائیں تو اس کی زکوٰۃ اس کے ذمے واجب الادا ہے، اگر کھیتی بارش ابر یا دریا یا چشمے یا ندی نالے سے سیراب کی گئی ہو تو عشر نکالے گا اور اگر رہٹ وغیرہ کے ذریعے سینچی گئی ہو تو نصف عشر۔ اور اگر کوئی شخص گری پڑی کھجور بقدر پانچ وسق اٹھائے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔ البتہ (امام) ابوحنیفہؒ اس پر وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کو (اناج کے) اس مالک پر واجب ٹھہرایا ہے جس کی ملک میں بالیوں سے اناج ناپ کے امکان تک (یعنی جب اناج صاف ہو کر ناپنے کے قابل ہو جائے) نکلتا ہے اور حضور علیہ السلام نے اس میں اپنی کاشت کردہ کھیتی سے حاصل ہونے والے اناج اور غیر کی کاشت کردہ کھیتی سے حاصل ہونے والے اناج

کے درمیان کوئی امتیاز

نہیں فرمایا، جس کاشتکار کے کھیت سے یہ اناج اٹھایا گیا اس پر اس اٹھائے گئے اناج کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی کیونکہ یہ مقدار ناپ کے امکان سے قبل ہی اس کی ملکیت سے خارج ہو گئی جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، البتہ

زمین سے اٹھائی گئی کھجور کا مسئلہ یہ نہیں ہے کیونکہ کھجور میں زکوٰۃ اس شخص پر واجب ہوتی ہے جس کی ملکیت میں وہ سرخی مائل رنگ پکڑے (یعنی پختگی کے قریب جا پہنچے) گندم اور جو کا معاملہ اس سے جدا ہے۔ وباللہ تعالیٰ نتاید۔

مسئلہ۔ اور رہا کھجور کا معاملہ تو یہ جب سرخی مائل رنگ پکڑتی ہے تو اس کی مقدار کا تخمینہ لگا لیا جاتا ہے اور زکوٰۃ لازم ہو جاتی ہے، جیساکہ ہم بیان کر چکے ہیں، وہ (مالک) آزاد ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ جو چاہے کرے (یعنی اسے اس امر کی آزادی ہوتی ہے کہ خود کھائے یا تحفے میں کسی کو دے، پیشتر اس کے کہ وہ کھلیان میں آئے ، اور زکوٰۃ اس کے ذمے بنے۔)

ہم سے عبداللہ بن ربیع نے بیان کیا، اس سے محمد بن معاویہ نے، اس سے احمد بن شعیب نے، اس سے محمد بن بشار نے اس سے یحیٰی یعنی ابن سعید القطان اور محمد بن جعفر غندر نے، اس سے یحیٰی نے بیان کیا ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے خبیب ابن عبدالرحمٰن کو عبدالرحمٰن بن مسعود بن نیار سے روایت کرتے ہوئے سنا، اس نے کہا: ہمارے پاس سہل بن ابی حثمہ آیا اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم مقدار کا تخمینہ لگا لو تو لے لو یا تیسرا حصہ چھوڑ دو، اگر تم نہ لو تو چوتھا حصہ چھوڑ دو۔" شعبہ کو اس میں تردد ہے کہ آیا آپ نے تاخذوا اور تدعوا کے لفظ استعمال کیے تھے یا خذوا اور دعو کے (اس سے معنی میں فرق نہیں پڑتا۔)

ہم سے حمام نے بیان کیا، اس نے ابن مفرج نے، اس سے ابن الاعرابی نے، اس سے الابری نے اس سے عبدالرزاق نے بیان کیا، اس نے ابن جریج سے روایت کیا اس نے زہری سے، اس نے عروہ بن الزبیر سے اس نے

حضرت عائشہؓ سے ؂حضرت عائشہ نے خیبر کے معاملے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن رواحہؓ کو یہودیوں کی طرف بھیجتے تھے، وہ اس وقت خُرما کی مقدار کا اندازہ لگانے جب اولین پھل پک کر تیار ہو جاتا لیکن ہنوز اسے کھایا نہیں گیا ہوتا تھا، پھر یہودیوں کو اختیار دیا جاتا تھا کہ اس اندازے کے بموجب لے لیں یا انہیں اس کے مطابق زکوٰۃ ادا کر دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں تخمینہ لگانے کا حکم اس لیے فرماتے تھے تاکہ پھل کے کھائے جانے اور منتشر ہو جانے سے قبل ہی زکوٰۃ کا حساب لگا لیا جائے۔

مسئلہ۔ تخمینہ لگائے جانے کے بعد، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ مالک اپنے پھل کو فروخت کر دے، یا ہبہ کر دے یا خیرات کر دے، کھلا دے یا وہ تلف ہو جائے، مذکورہ کسی امر کی وجہ سے اس سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہو گی کیونکہ وہ واجب ہو چکی ہے اور وہ اس پھل کے ضمن میں آزاد ہے اور اسے اس میں فروخت وغیرہ کے ذریعے تصرف کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے پھل کو چن لیا ہو اور ان دونوں صورتوں میں کچھ فرق نہیں ہے (کھجور کے درختوں پر پھلوں کا تخمینہ ایسے ہی ہے گویا کہ اس نے پھل کو چن لیا ہے اور اس کے بعد اس کی مقدار معلوم کی گئی ہے۔)

مسئلہ۔ اگر تخمینہ لگانے والے سے خطا سرزد ہو جائے یا وہ ظلم کا مرتکب ہو اور نتیجۃً تخمینہ کم یا زیادہ مقدار کا لگ گیا ہو تو واجب مقدار اس کے حقدار کو لوٹائی جائے گی، چنانچہ زائد مقدار اسے دے دی جائے گی اور اگر کم وصول کی گئی تو اسی قدر اس سے لے لی جائے گی۔

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے : کونوا قوامین بالقسط یعنی تم عدل کو قائم کرنے والے بن جاؤ۔ تخمینہ لگانے والے کی طرف سے زائد تخمینہ لگانا بلاشک وشبہ پھل کے مالک پر ظلم ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : و لا تعتدوا۔ یعنی تم زیادتی نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ نے پھل کے مالک پر ماسوا عشر کے ، کچھ واجب نہیں کیا، نہ کم نہ زیادہ، یا نصف عشر واجب ہے، نہ کم نہ زیادہ، اور کم مقدار کا تخمینہ لگانا مستحقین زکوٰۃ پر ظلم ہے اور ان کے حق کو ساقط کرنے کے مترادف ہے۔ اور یہ ہر دو صورتیں گناہ اور زیادتی ہیں۔

مسئلہ۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ تخمینہ لگانے والے نے اس پر ظلم کیا ہے یا اس سے خطا سرزد ہوئی ہے تو بدون گواہوں کی شہادت کے اس کے دعوے کی تصدیق نہ کی جائے بشرطیکہ تخمینہ لگانے والا عادل عالم ہو۔ اور اگر وہ جاہل یا ظالم ہو تو اس کا حکم مردود ٹھہرے گا، کیونکہ اگر وہ ظالم ہے تو وہ فاسق ٹھہرا لہٰذا اس کی خبر مردود ہے۔

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃٍ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین، یعنی اگر کوئی فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرلو یہ نہ ہو کہ تم جہالت سے کسی گروہ کو نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر تمہیں ندامت ہو۔

اور اگر وہ جاہل ہو تو لوگوں کے اموال میں بے علمی سے فیصلے کرنے کے لیے جاہل کا تعرض باطل ہے، اور کم از کم بات یہ ہے کہ اسے یہ منصب سونپنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اگر وہ جاہل ہو تو اسے یہ منصب سونپنا ہی باطل و مردود ہے۔
جس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جس نے کوئی ایسا

کام کیا جو ہمارے طریقے کے مطابق نہیں تو وہ مردود ہے۔

مسئلہ۔ فصل کا تخمینہ لگانا قطعاً جائز نہیں، جب تک کہ اسے کاٹ نہ لیا جائے اور دانے کو بھوسے سے الگ نہ کر لیا جائے سو اگر زکوٰۃ کا محصل اس وقت آئے اور بیٹھ کر گاہنے اور دانے کے بھوسے سے الگ ہونے اور ناپ تک انتظار کرے تو اس کا اسے اختیار ہے، البتہ اس کا نفقہ کاشتکار کے ذمے نہیں ہوگا۔

کیونکہ ایسی کوئی روایت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فصل کا تخمینہ لگوایا ہو، لہذا فصل کا تخمینہ لگوانا جائز نہیں، کیونکہ ایسا کرنا ایسا نیا حکم گھڑنے کے مترادف ہے جس کے بارے میں کوئی نص موجود نہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اور جہاں تک نفقہ کا تعلق ہے تو ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل، یعنی تم ایک دوسرے کے اموال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔

مسئلہ۔ ہر فصل والے پر فرض کیا گیا ہے کہ فصل کی کٹائی کے وقت جو مساکین وہاں آئیں انہیں اس میں سے جتنا اس کا جی چاہے دے، اس مسئلے کو ہم اس سے پہلے "باب ما یجب فیہ الزکاۃ" یعنی باب جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، میں اس ارشاد باری تعالیٰ کے ذکر کے تحت بیان کر چکے ہیں کہ: وآتوا حقہ یوم حصادہ، یعنی اور اس کا حق ادا کرو فصل کی کٹائی کے روز وباللہ التوفیق۔

مسئلہ۔ اگر کوئی شخص کھجوروں کے باغ کو سینچے یا اپنی اراضی کے ایک حصے کو کاشت کرے اور اس میں سے پیداوار حاصل ہو اور ان دونوں میں کسی سے بھی اس کے حصے میں پانچ وسق یا اس سے زائد کھجوریں آئیں یا اسی طرح

پانچ وسق گندم یا جو آئیں تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اس (مقدار) سے کمتر آئے تو نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کھیتی میں یا کھجور کے پھل میں ناجائز قبضے یا خرید یا کسی اور سبب سے کہ اسباب میں کوئی امتیاز نہیں، کسی شخص کے ایک یا ایک سے زیادہ ساجھی ہوں تو اس کا بھی یہی حکم ہے (یعنی پانچ وسق یا اس سے زیادہ پیداوار جسے حاصل ہوگی صرف اسی پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔)

اگر اس پیداوار) کے اہل (مالک، یعنی جن کے لیے وہ وقف ہے) غیر متعین ہوں، جیسے مساکین، یا اندھے یا جذامی یا غریب الوطن یا اس قسم کے دوسرے لوگ، یا مسجد یا اس قسم کا کوئی اور ادارہ، تو ان میں سے کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ اشیاء میں سے کسی میں بھی پانچ وسق سے کم مقدار میں ہونے کی صورت میں زکوٰۃ واجب نہیں کی اور نہ ہی ایک ساجھی پر بایں طور زکوٰۃ واجب کی ہے کہ اس کی فصل کو اس کے ساجھی کی فصل میں ملا دیا جائے (اور یوں مقدار نصاب پوری کر لی جائے)۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ولا تکسب کل نفس الا علیہا ولا تزر وازرۃ وزر اخری، یعنی ہر نفس اپنے کیے کا ذمے دار ہے اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

غیر متعین اہل (لوگوں یا اداروں) کی صورت میں یہ ممکن ہی نہیں کہ ان میں سے کسی ایک کے حصے میں پانچ وسق آئیں (کیونکہ یہ تو ان گنت ہوں گے) اور زکوٰۃ تو صرف اس مسلمان پر واجب ہوتی ہے جسے (کم از کم) پانچ وسق پیداوار حاصل ہو۔

اور (امام) ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ مذکورہ ہر صورت میں زکوٰۃ ہے۔

اور یہ خطا ہے، بموجب دلیل مذکورہ کے، یعنی یہ کہ زمین پر شریعت لاگو نہیں ہوتی شریعت تو انسانوں اور جنات پر لاگو ہوتی ہے۔ اور اگر امر واقعہ ایسے ہی ہوتا جیسے کہ ان (حنفیہ) کا کہنا ہے تو پھر کافروں کی اراضی پر بھی لازماً زکوٰۃ واجب ہوتی۔

سوا گر ان (حنفیہ) کا موقف یہ ہے کہ خراج اس (عشر، زکوٰۃ) کا قائم مقام ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں (ان کفار) سے کوئی خراج نہیں لیا جاتا تھا، اور تمہارے (احناف کے) موقف کے مطابق تو یہ لازم ٹھہرا کہ ان کی اراضی کی پیداوار پر زکوٰۃ واجب ہے لیکن اس کا اہل نقل کے اجماع اور ان کے ساتھ جملہ مسلمانوں کے اجماع سے باطل ہونا ثابت ہے۔

اور (امام) شافعیؒ کا قول ہے کہ اگر تمام شرکاء کو مجموعی طور پر پانچ وسق پیداوار حاصل ہو جائے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اس قول کے باطل ہونے کا ذکر ہم انشاء اللہ عنقریب مویشیوں میں مخلوط ملکیت رکھنے والے شرکاء کی زکوٰۃ کے ضمن میں کریں گے۔ (امام) شافعیؒ کے اس قول کا مکمل رد اس طرح ہے کہ یہ شرع کو اس طرح واجب کرنے کے مترادف ہے کہ جس کی سرے سے کوئی دلیل ہی نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

مسئلہ: اور یہ جائز نہیں ہے کہ زکوٰۃ کے لیے فصل کے مالک کے ذمے پیداوار کے اس حصے کا بھی حساب لگا لیا جائے جو اس نے اور اسکے گھر والوں نے کھالی ہے۔ (اناج کو بھوسے سے الگ کرنے سے قبل) آٹے کی شکل میں یا ستو بنا کر، تھوڑی مقدار میں کھایا ہے یا زیادہ مقدار میں، نیز نہ ہی ان بالیوں کو محسوب کیا جائے گا — جو گر پڑتی ہیں اور پرندے یا جانور ان کو کھا لیتے ہیں یا کمزور لوگ اٹھا لیتے ہیں، اور نہ ہی اس کو محسوب کیا جائیگا جو اس نے کٹائی کے وقت خیرات کر دی۔ البتہ جو اناج بھوسے سے

الگ کر لیا گیا ہو تو اس کی زکوٰۃ اس کے ذمے ہے (یعنی اناج کے صاف ہو جانے کے بعد وہ ایسے کسی مصرف میں اس کا کچھ حصّہ لایا تو وہ زکوٰۃ کے لیے محسوب ہوگا)

اس کی دلیل وہ ہے جس کا ذکر ہم قبل ازیں کر چکے ہیں یعنی یہ کہ زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی مگر جب اسے ناپنا ممکن ہو جائے، لہٰذا جو چیز اس سے پہلے پہلے اس کے ہاتھ سے نکل گئی تو وہ اس وقت نکلی ہے جب اس چیز میں زکوٰۃ واجب ہی نہ ہوئی تھی۔ (امام) شافعیؒ اور لیثؒ کا بھی یہی قول ہے جبکہ (امام) ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ یہ سب کچھ محسوب کیا جائیگا۔

ابو محمد (ابن حزم) نے کہا کہ یہ ایسی چیز کا مکلف بنانے کے مترادف ہے جسکی اس میں طاقت نہیں۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ کچھ بالیاں گر پڑیں اور اگر وہ بچ جاتیں تو پانچ وسق کی مقدار پوری ہو جاتی، انکو گرنے سے بچانا یا روکنا قطعاً ممکن نہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا، یعنی اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی استطاعت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا۔

مسئلہ: اگر کسی کھیتی یا کھجور کے درختوں کو سال کا کچھ حصہ تو چشمے یا دریا سے نکلے ہوئے ندی نالے کے ذریعے یا بارش ابر سے سینچا گیا ہو اور سال کے کچھ حصے میں کسی رہٹ یا چرسے یا اونٹنی یا ڈول کے ذریعے سینچا گیا ہو تو دیکھا جائیگا کہ اگر تو رہٹ وغیرہ سے سینچنے سے فصل میں نمایاں اضافہ ہوا ہو اور اس سے اس کی حالت بہتر ہوئی ہو تو اس کی زکوٰۃ فقط نصف عشر ہوگی اور اگر اس سے اس میں کچھ اضافہ نہ ہوا اور نہ اس کی حالت بہتر ہوئی تو اس کی زکوٰۃ عشر ہے۔

ابو محمد نے کہا: (امام) ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا کہنا ہے کہ ان ہر دو میں سے جو اغلب ہوگا اسکے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائیگی (یعنی اگر زیادہ وقت ندی نالے یا بارش وغیرہ سے سینچا گیا ہو تو عشر اور اگر رہٹ وغیرہ سے زیادہ وقت سینچا گیا تو نصف عشر) (ابوحنیفہؒ اور انکے اصحاب کے)

مسئلہ، اگر گیہوں یا جَو کی فصل کاٹ لی گئی ہو پھر اس کی جڑیں پھوٹ پڑیں تو یہ ایک الگ فصل ہو گی، اسے پہلی فصل میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ بدلیل مذکورہ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

مسئلہ: اور زکوٰۃ صاحبِ مال کے ذمے واجب ہوتی ہے نہ کہ عینِ مال پر۔

ابو محمد نے کہا: اس مسئلے کے بارے میں مخالفین کے اقوال مشکوک و متردد ہیں ہمارے قول کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ امت کے کسی فرد کو اس میں اختلاف نہیں، ہمارے زمانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک، کہ اگر کسی شخص پر گندم یا جَو یا خرما یا چاندی یا سونے یا اونٹوں یا گایوں یا بھیڑ بکریوں میں زکوٰۃ واجب ہو اور وہ اپنے اوپر واجب زکوٰۃ کو اس فصل یا اس خرما یا اس سونے یا اس چاندی یا ان اونٹوں یا گایوں یا ان بھیڑ بکریوں کے بجائے کسی اور چیز سے ادا کرے تو اسے ایسا کرنے سے منع نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اسے ایسا کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ بلکہ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ وہ اس عین مال ہی سے زکوٰۃ ادا کرتا ہے یا اس کے بجائے اپنے پاس موجود کسی اور مال میں سے یا کوئی مال خرید کر زکوٰۃ کے طور پر دیتا ہے، یا ہبہ کے طور پر ملنے والے مال میں سے یا قرض لیے ہوئے مال میں سے نکالتا ہے۔ یہ بات یقیناً صحیح ہے کہ زکوٰۃ ذمے میں ہوتی ہے۔ عین میں نہیں کیونکہ اگر عین میں ہوتی تو اس کے لئے یہ ہرگز جائز نہ ہوتا کہ اس کے بجائے کسی اور مال میں سے زکوٰۃ ادا کرے، اور اسے اس سے منع کرنا ہر حال واجب ہو جاتا، جیسے کہ اس شخص کو روکا جاتا ہے جس کا کسی چیز میں کوئی ساجھی ہو اور وہ اپنے شریک کو اس عین کے بجائے کہ جس میں وہ ساجھی ہیں کوئی اور چیز دے، بغیر باہمی رضامندی

کے اور بیع کے حکم پر (یعنی عدالت اس عین کو فروخت کرنے کا حکم صادر کر دے۔

مسئلہ: مذکورہ اموال میں سے کسی مال میں زکوٰۃ واجب ہو جائے تو اس کے بعد اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ وہ سارا مال تلف ہو جائے یا اس کا کچھ حصہ۔ اس کا بیشتر حصہ یا تھوڑا سا۔ بعد اس کے کہ اس میں سے زکوٰۃ نکالنا ممکن تھا۔ زکوٰۃ کے واجب ہونے کے تھوڑے عرصے بعد یا زیادہ عرصہ گزرنے پر بری طرح تلف ہوا ہو یا معمولی طور پہ تلف ہوا ہو، زکوٰۃ پوری کی پوری صاحبِ مال کے ذمے میں واجب ہے۔ بالکل ایسے جیسے مال کے تلف نہ ہونے کی صورت میں ہوتی۔ ان دونوں صورتوں میں کچھ فرق نہیں، بدلیل مذکورہ، یعنی یہ کہ زکوٰۃ ذمے میں واجب ہوئی ہے نہ کہ عین مال میں۔

اور ہم نے یہ جو کہا ہے کہ بعد اس کے کہ اس مال میں سے زکوٰۃ نکالنا ممکن ہو گیا ہو تو یہ اس لئے کہ اگر وہ عین مال کے بجائے کہ جس میں زکوٰۃ واجب ہوئی کسی اور مال میں سے زکوٰۃ نکالنا چاہتا تو اسے اس کے برعکس کرنے پر مجبور نہ کیا جاتا۔ اور اونٹ وغیرہ سب اس میں برابر ہیں (یعنی مال کسی جنس یا نوع کا ہو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا) ماسوا اس کے کہ زکوٰۃ بھیڑ بکریوں کی نکالنی ہو اور بھیڑ بکریاں اس کے پاس موجود ہوں تو اس صورت میں اس پر لازم ہے کہ موجود بھیڑ بکریوں سے ہی زکوٰۃ دے۔ اسے اس بات کا حق نہیں کہ وہ زکوٰۃ نکالنے کے معاملے کو لٹکا تا رہے تا آنکہ وہ ان اونٹوں میں سے بعض کو فروخت کرے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے سارعوا الی مغفرۃ من ربکم۔ یعنی تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف جلدی کرو۔

مسئلہ: اسی طرح اگر وہ زکوٰۃ نکال کر اسے اس ارادے سے روکے رکھے کہ وہ اسے مصدق (زکوٰۃ وصول کرنے والے) کو یا مستحقین کو دے گا اور وہ

مال زکوٰۃ سارے کا سارا یا اس کا بعض حصہ ضائع ہو جائے تو دوبارہ زکوٰۃ نکالنا اس پر واجب ہے اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں، بدلیل مذکورہ، نیز اس لیے کہ وہ اس کے ذمے ہے تاآنکہ وہ اس کو ان تک نہ پہنچا دے جن تک پہنچانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

اور یہی اوزاعیؒ کا قول ہے اور (امام) شافعیؒ کے بھی کئی اقوال میں ظاہر قول یہی ہے۔

اور (امام) ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر سال گذرنے کے بعد مال تلف ہو جائے اور انہوں نے اس کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں کی (یعنی سال گذرنے کے بعد کتنی مدت کے اندر اندر تلف ہو جائے۔) ـــــ تو اس کے ذمے کچھ زکوٰۃ نہیں خواہ مال کسی بھی وجہ سے تلف ہوا ہو، اور اگر مال کا ایک حصہ تلف ہوا ہو تو صرف باقی مال کی زکوٰۃ اس پر واجب ہے، خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ، اور تلف شدہ مال کی اس پر زکوٰۃ واجب نہیں، اور اگر اس نے خود تلف کیا ہو تو اس تلف کیے جانے والے مال کی زکوٰۃ اس کے ذمے ہے [۱]

---

[۱] حافظ ابو محمد علی ابن حزم الاندلسی الظاہری: المحلی: الجزء الخامس: از ص ۲۴۴ تا ۲۷۹ طبع مصر۔